قومی زبان اور پاکستانی معاشرہ

اشتیاق احمد گوندل*

قرآن نے سورۃ الرحمٰن (۱) میں تخلیق انسان کے تذکرے کے ساتھ انسان کے بیان کی صلاحیت کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ سید مودودیؒ تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں کہ یہ محض قوت گویائی ہی نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے عقل وشعور، فہم و ادراک، تمیز وارادہ اور دوسری ذہنی قوتیں کارفرما ہوتی ہیں جن کے بغیر انسان کی قوت ناطقہ کام نہیں کرسکتی۔ (۲)

گویا کہ اظہار مافی الضمیر کی صلاحیت ہی انسان کے ذی شعور ہونے کی روشن دلیل ہے۔ زبان اظہار خیال کا ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ تجربات زندگی کے محافظ کا کام بھی دیتی ہے۔ وہ خیالات جو ہماری زندگی کے تجربات کی تنظیم کرتے ہیں۔ محفوظ نہ رہیں تو ہمارے لیے مفید ثابت نہیں ہوسکتے۔ ان کو محفوظ کرنے کا ذریعہ بھی زبان ہی ہے۔ جن چیزوں کا نام علوم وفنون رکھا گیا ہے اور جو اکثر کتابوں میں مرقوم ہیں۔ یہ کیا چیزیں ہیں، یہ زبان کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تجربات ومعلومات ہی تو ہیں، آپ ان میں سے زبان کا عنصر نکال باہر کریں۔ علوم وفنون کی ہستی ہی مٹ جائے گی۔ (۳)

زبان محض ایک عضو نہیں بلکہ انسانی شخصیت کا اظہار، انفرادی اجتماعی سطح پر زبان کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ اس کے دائرہ کار میں بے پناہ وسعت ہے۔ مفتی شفیعؒ کی رائے میں انسانوں کی زبانوں کا مختلف ہونا بھی ایک عجیب کرشمۂ قدرت ہے۔ زبانوں کے اختلاف میں لغات کا اختلاف بھی داخل ہے۔ عربی، فارسی، ہندی، ترکی، انگریزی وغیرہ کئی مختلف زبانیں ہیں جو مختلف خطوں میں رائج ہیں اور ایک دوسرے سے بعض تو ایسی مختلف ہیں کہ کوئی باہمی ربط و مناسبت بھی معلوم نہیں ہوتی اور اس اختلاف میں لب ولہجہ کا اختلاف بھی شامل ہے کہ قدرت حق نے ہر فرد انسان، مرد، عورت، بچے، بوڑھے کی آواز میں ایسا امتیاز پیدا فرمایا ہے کہ ایک فرد کی آواز کسی دوسرے فرد کی آواز سے ایک صنف کی آواز دوسری صنف سے پوری طرح نہیں ملتی، کچھ نہ کچھ امتیاز ضرور رہتا ہے۔ حالانکہ اس آواز کے آلات، زبان، ہونٹ، تالو، حلق، سب میں مشترک اور یکساں ہیں۔ (۴)

سید مودودیؒ نے بھی اسی پہلو کی نشاندہی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: باوجود یہ کہ تمہارے قوائے نطقیہ یکساں ہیں نہ منہ اور زبان کی ساخت میں کوئی فرق ہے اور نہ دماغ کی ساخت میں مگر زمین کے مختلف خطوں میں تمہاری زبانیں

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

مختلف ہیں، پھر ایک ہی زبان بولنے والے علاقوں میں شہر شہر اور بستی بستی کی بولایں مختلف ہیں اور مزید یہ کہ ہر شخص کا لہجہ اور تلفظ اور طرز گفتگو دوسرے سے مختلف ہے۔ (۵)

زبان کے ذریعے انسان محض بولتا نہیں بلکہ اپنے فہم وشعور کی نمائندگی کرتا ہے چنانچہ جب ہم فہم وشعور کی بات کرتے ہیں تو پھر اس عضو کا دائرہ اثر بہت دور تک پھیل جاتا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر مشتاق الرحمٰن صدیقی نے وضاحت کی ہے کہ زبان کسی قوم کے نظریات و افکار، تہذیب و ثقافت، تعلیمی نظریات، بین الاقوامی تعلقات اور سیاسی و معاشرتی کردار کا آئینہ خیال کی جاتی ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں، بعض اوقات زبان کے اعتبار سے ایک ملک کئی جغرافیائی خطوط میں منقسم ہوجاتا ہے۔ (جیسا کہ پاکستان کی مثال ہے) لیکن سب سے مقدم اور اہم وہی زبان ہوتی ہے جو ملک کی قومی زبان کہلاتی ہے اور جس کا دامن علاقائی زبانوں سے زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہوتا ہے۔ (۶)

انسانی زندگی میں زبان کی اہمیت کا اندازہ انبیاء کی سیرتوں سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا نقل کی ہے:

﴿رب شرح ...... صدری ۔و یسرلی أمری ۔واحل عقدة من لسانی ۔یفقهوا قلی﴾ (۷)

اسی طرح حضرت ادریسؑ کے حوالے سے روایت ہے کہ انہیں ۷۲ زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔ (۸)

تاہم اسلام نے زبان کے استعمال کو محض باتونی پن کی بجائے اعلیٰ وارفع مقاصد اور اہداف کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ جبکہ سورۃ النساء میں ارشاد ہوا کہ:

﴿لا خیر فی کثیر من نجواهم لا من امر بصدقة او معروف او اصلاح بین الاناس ۔ و من یفعل ذلك ابتغاء مرضیات الله فسوف نؤ تیبه اجراً عظیماً۔﴾ (۹)

امام غزالی نے زبان کی اہمیت کے حوالے سے جامعیت اور وسعت کے پہلو کو اجاگر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ظاہر میں تو یہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جبکہ حقیقت میں تمام موجودات پر اسی کا تصرف ہے بلکہ جو چیز معدوم ہے وہ بھی اس کے تصرف میں ہے۔ اس واسطے وہ عدم کا بھی بیان کرتی ہے اور وجود کا بھی بلکہ کہنا چاہیے کہ زبان عقل کی نائب ہے۔ (۱۰)

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبان کے استعمال کو عقیدۂ آخرت سے جوڑتے ہوئے اپنے ارشاد پاک سے احساس ذمہ داری اجاگر کیا ہے کہ:

﴿ما یلفظ من قول الا لدیه رقیبٌ عقیدٌ۔﴾ (۱۱)

قرآن مجید نے سورۃ الحجرات میں خاص طور پر ایسے اخلاقی رذائل کا ذکر کیا ہے جن میں سے اکثر کا ذکر آفات للسان سے ہے۔ مثلاً عیب جوئی (۱۲) برے نام سے پکارنا (۱۳) اور غیبت۔ (۱۴)

اسی سورۃ مبارکہ میں تعلیم دی گئی کہ فاسق کوئی بات کہہ دے تو اس کی زبان قابل اعتماد نہ سمجھی جائے بلکہ تحقیق کی جائے۔(۱۵)

زبان کی اہمیت اور استعمال کے حوالے سے معاملہ صرف قوت ناطقہ یا قوت گویائی تک محدود نہیں ہے بلکہ قوموں اور تہذیبوں کے انفرادی و اجتماعی کردار کی ترجمانی بھی زبان سے ہی ہوتی ہے تو پھر کیا مسلمان اپنے آپ کو زبان کے مسئلے میں محض جغرافیائی حدود یا لسانی تعصب کا پابند کر سکتے ہیں۔ قرآن و حدیث کا عمومی مزاج اس کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ امت مسلمہ ایک دعوتی امت ہے جس کے مخاطب مسلمان نہیں تمام بنی نوع انسان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اخرجت للناس (۱۶) کے اعزاز کا ذکر کیا ہے۔

اس میں شک نہیں مسلمانوں کے لیے عربی ہر لحاظ سے مقدم ہے کیونکہ یہ قرآن کی زبان ہے۔(۱۷) تاہم اس کے بعد مسلمان ہر قوم سے ہوں گے اور اسلام کی آفاقیت کا تقاضا ہے کہ تمام زبانوں کے لیے وسعت پیدا ہو لیکن امت اور ملت میں شامل مختلف اقوام اپنی مخصوص زبان پر عربی کے علاوہ کسی سامراجی، استعماری یا بیرونی زبان کو ترجیح دیں گے تو یہ اپنے ہاتھوں خود اپنے زوال کی اینٹ رکھنے کے مترادف ہوگا۔

نوآبادیاتی نظام کے باعث عالم اسلام میں انگریزی زبان نے جو حیثیت حاصل کی ہے۔ اس نے مسلمان معاشروں کو طبقات میں تقسیم کر دیا ہے۔ خاص طور پر قدیم اور جدید طبقات۔ ایک طرف تو عالمی سطح پر انگریزی کی مسلمہ حیثیت اور سیاسی برتری اور دوسری طرف انگریزی زبان کی پیروی میں آگے بڑھنے والی مغربی تہذیب، بقول اقبال:

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

تعلیم کی اہمیت سے انکار نہیں بلکہ امت مسلمہ کا تو دیگر اقوام سے بڑھ کر علم دوست ہونا ناگزیر ہے۔ مگر زبان کی اہمیت کا مطلب صرف انگریزی زبان کا اہم قرار پانا اور ترقی و خوشحالی کے سارے خواب انگریزی زبان سے وابستہ ہو جانا کس حد تک حقیقت ہے۔ عالم اسلام نظری بحثوں میں تو ضرور الجھا ہوا ہے۔ مگر عملی طور پر اپنی نسلوں کو انگریزی کے سپرد کر کے نہ صرف اپنی بنیادیں کمزور کر بیٹھا ہے بلکہ عالم مغرب سے مرعوب ہو کر نرم چارہ بن گیا ہے۔

خرم مراد لکھتے ہیں کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے یا شریعت نافذ کرنے کے لائحہ عمل میں سب سے پہلا اقدام یہ ہے کہ ہم زبان میں، لباس میں، رسوم و رواج میں، میڈیا میں، مغربی ثقافت کی غلامی سے نجات حاصل کریں۔ ثقافت کا بسیرا زبان کے قالب میں ہوتا ہے سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم مناسب سطح تک انگریزی ضرور پڑھائیں لیکن ہر درجے کے طالب علم کو لازماً نہ پڑھائیں اور نہ ہی یہ فتویٰ دیں کہ جو انگریزی نہ پڑھ سکے وہ جاہل ہے۔ مزید یہ کہ دفاتر، عدالتوں، فوج اور بازاروں کے عمومی نظام کار کو انگریز کی بجائے آئین پاکستان کی منشاء کے مطابق قومی زبان

اردو میں روبہ عمل میں لائے۔(۱۸)

اسی طرح معروف ادیب اشفاق احمد اس وہم کا پردہ چاک کرتے ہیں کہ ترقی کے لیے انگریزی ناگزیر ہے۔ اشفاق صاحب کی رائے ہے کہ انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم اور ذریعہ اظہار نہ بنا کر لیکن اس کی تحقیقات سے فائدہ اٹھا کر جن ملکوں نے ہماری نظروں کے سامنے ترقی کی ہے۔ ان میں جاپان، کوریا اور تائیوان وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ یہاں کے دانش مندوں نے اپنی ساری قوم کو انگریزی پڑھنے پر نہیں لگایا بلکہ ایک مخصوص گروہ کو اسی کام پر مامور کیا ہے۔ دانش گاہوں اور درس گاہوں میں ذریعہ تعلیم ملکی زبانیں ہیں۔(۱۹)

وطن عزیز پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کے تقاضے سمجھتے ہوئے بعض اہل دانش کی رائے میں عربی قومی زبان قرار دی جاتی تو پاکستان عالم اسلام کا قائد ہوتا تاہم اردو قومی زبان قرار پائی تو یہ بھی بہت اچھا فیصلہ تھا اس لیے کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ عربی فارسی کے علاوہ دیگر کئی زبانوں کے اشتراک سے ہی وجود میں آئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارا قیمتی علمی سرمایہ اردو میں ہے۔ اردو زبان میں وسعت اور کشادگی ہے۔ جناب احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں کہ اردو کا تو مزاج ہی ایسا کہ وہ گردوپیش میں بولی جانے والی زبانوں سے بڑی فراخدلی کے ساتھ استفادہ کرتی آئی ہے۔ آج اس میں پاکستان کی دیگر زبانوں کے الفاظ نہ صرف شامل ہو رہے ہیں۔ بلکہ اردو میں نفوذ کرتے جا رہے ہیں۔(۲۰)

اردو زبان کی اس اہمیت کو نظری طور پر تسلیم کیا گیا مگر عملی اقدامات اردو کے زوال اور انگریزی کے عروج کے لیے کیے گئے۔ دو تین عشرے قبل چند تنظیمات اور ادارے قرارداد، کانفرنس، سیمینار، اور نعرے کی حد تک اردو کو ذریعہ تعلیم اور دفتری زبان قرار دینے کے لیے مطالبہ ہی کر لیتے تھے۔ مگر 1990 کے بعد سے تو یہ کمزور آوازیں بھی دم توڑ گئی ہیں۔ بلکہ بہت ساروں نے تو اپنی وفاداری تک بدل لی ہے۔ اگر کچھ لوگ اردو کی بات کرتے ہیں تو ایسے مفروضوں اور رکاوٹوں کا ذکر ہوتا ہے کہ نفاذ اردو کی منزل کا حصول ناممکن نظر آتا ہے۔ جناب مسلم سجاد ٹھوس تاریخی تجزیے کی بنیاد پر نفاذ اردو کو بالکل اور فوراً قابل عمل سمجھتے ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ اردو ذریعہ تعلیم کو کامیابی سے نافذ کرنے کا طریقہ تو بہت صاف اور سیدھا ہے اور یہ اسی انگریز سے سیکھا جا سکتا ہے جس کی زبان ہمارے بالا دست طبقے سے چھوٹتی نہیں ہے۔ لیکن انگریز نے اسی ملک میں انگریزی کو کس طرح نافذ کیا۔ اس نے ہماری فارسی کو بے قیمت کر کے، ملازمت اور کامیابی کو انگریزی سے منسلک کر دیا۔ جب قومی قیادت اردو کو واقعتاً نافذ کرنا چاہے گی تو وہ اردو کو معاشرے میں قدر و قیمت کا حامل بنا دے گی۔ ملازمت، عزت اور کامیابی اردو سے ملے گی۔ انگریزی سے نہیں تو پھر کون انگریزی میڈیم سکولوں میں داخلے کے لیے بڑی بڑی فیسیں دے گا۔ لیکن پوری پالیسی کو انگریزی کی بالادستی ہو اور لوگ اردو میڈیم میں اپنے بچوں کو پڑھوائیں یہ کیسے ممکن ہے۔(۲۱)

زبان جہاں ایک فرد کی پہچان اور اس کے مافی الضمیر کا ذریعہ ہے وہاں قوموں کی شناخت، فکر اور روایت کا

اظہار ان کی اپنی زبان میں ہی ممکن ہے۔ عالم اسلام کے ساتھ بالعموم اور پاکستان کے ساتھ بالخصوص المیہ یہ ہے کہ استعماری تسلط سے آزادی کے باوجود اپنی قومی زبان کو صحیح مقام نہ دینے کے باعث نوجوان نسلیں اپنے ماضی سے بے خبر ہیں اور غیروں کی تاریخ سے متاثر اور مرعوب ہیں۔ حتیٰ کہ یونیورسٹی سطح تک طلبہ و طالبات کی ایک عظیم اکثریت غیر زبان کے ذریعہ تعلیم ہونے کے باعث مسلمانوں کی تاریخ سے بے خبر ہی نہیں شرمندہ بھی ہیں اور مغالطوں کا شکار بھی ہیں۔ جب اقوام عالم میں ترقی یافتہ کہلانے والی قومیں اپنی قوموں کی زبانوں کو ہی ذریعہ تعلیم اور سرکاری زبان کے طور پر نافذ کر کے ہی آج ممتاز مقام حاصل کر پائی ہیں تو پاکستانی قوم کے ساتھ سب سے بڑا حادثہ یہ ہے کہ وہ اپنی قومی زبان کو جائز مقام نہ دلوا کر ایک قوم کی بجائے ہجوم کی شکل اختیار کر رہے ہیں۔ حساس دل رکھنے والے اسلام پسند اور پاکستان دوست افراد پاکستان کے معاشی، معاشرتی، زوال اور ذہنی انتشار کے ساتھ ساتھ تعصّبات سے بھی پریشان ہیں تو کیا اردو کے قومی زبان اور ذریعہ تعلیم ہو جانے سے اس مسئلے پر قابو نہیں پایا جاسکتا۔

دلچسپ امر تو یہ ہے کہ آج دنیا پر غالب نظر آنے والی انگریزی ۱۸ ویں صدی تک برطانیہ میں قومی زبان ہونے سے محروم تھی اور برطانیہ میں ذریعہ تعلیم فرانسیسی اور اطالوی زبان تھی۔

انگریزوں نے اردو کالج دہلی، اورئینٹل کالج لاہور کے ذریعے برصغیر میں اردو کو فروغ دیا مگر ایک استعماری قوت ہماری زبانوں کو کتنا برداشت کرتی۔ تاہم یہ سال جرور پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم نصف صدی سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود اپنی کوتاہی بھی استعمار کے کھاتے میں ڈالیں گے۔

بعض لوگوں کو بدگمانی ہے کہ انگریزی کو اردو سے بدلنے کے لیے جس سطح کے تحقیقی اداروں اور تراجم کے مراکز کی ضرورت تھی۔ پاکستان میں اس سلسلے میں مطلوبہ پیش رفت نہیں ہوئی۔ تو یہ بھی محض ایک بہانہ ہے، مثلاً اردو سائنس بورڈ اور مقتدرہ قومی زبان جیسے اداروں کی کارکردگی کو مثالی نہ بھی کہا جائے تو قابل اطمینان اور قابل قدر ضرور کہا جاسکتا ہے۔ آئین کے آرٹیکل 251 کے مطابق 1979ء میں قائم کیا گی ااور اس ادارے نے نو اقسام کی ڈکشنریاں مرتب کی ہیں۔ جس میں سائنسی، قانونی، ادبی، تعلیمی اور تلفظ وغیرہ کی اصطلاحات کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ سینکڑوں کتب کے مستند تراجم کیے جا چکے ہیں۔ (۲۲)

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کو قیادت کے جس بحران کا سامنا ہے، مسئلے کی جڑ یہی بحران ہے اس کی شدت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1973ء کے آئین میں قومی زبان اردو کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے فیصلہ کیا گیا کہ پندرہ سالوں میں ایسے انتظام کیے جائیں گے تا کہ اردو سرکاری و دفتر زبان بھی ہو اور ذریعہ تعلیم بھی قرار پائے۔ (۲۳)

بدقسمتی سے آئین کے مقدس ہونے کا شعور تو بہت ہے لیکن اس سے بڑھ کر آئین کے تقدس کی پامالی کیا ہے کہ قیادت نے نہ صرف آئین کی خلاف ورزی کی ہے بلکہ اس جرم کا احساس اور شعور بھی ناپید ہے۔ عنایت علی خاں کے

بقول:

حادثے سے بڑا سانحہ یہ ہوا
لوگ ٹھہرے نہیں حادثہ دیکھ کر

مختصر یہ ہے پاکستان کی اسلامی ونظریاتی تعمیر وترقی ہی اس کی بقا کی ضامن ہے اوراس ہدف کواپنی قومی زبان کے فروغ اور نفاذ کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلے میں اداروں، تنظیموں، اور قراردادوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، مگر فی الحقیقت اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا نہ ہی کوئی بہتری کا امکان ہوگا جبکہ تک کہ قومی قیادت اپنے فرض کو پہچان کراس مسئلے کوقوت نافذہ سے حل نہیں کرے گی۔

حواشی وحوالہ جات

۱- الرحمٰن،۴۔

۲- مودودی،سید ابوالاعلیٰ،تفہیم القرآن،ج:۵،ادارہ ترجمان القرآن،لاہور۔۲۰۰۷ء،ص:۲۴۹۔

۳- ڈاکٹر عبدالغفور چوہدری، تربیت اساتذہ، مرتب ڈاکٹر ابراہیم خالد، پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن، ۱۹۹۷ء، ص:۵۳۱۔

۴- مفتی محمد شفیع،معارف القرآن،ج:۶،ص:۳۶۷۔

۵- تفہیم القرآن،ج:۳،ص۴۶۷۔

۶- ڈاکٹر مشتاق الرحمٰن صدیقی،تعلیم وتدریس،مباحث ومسائل،پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن،اسلام آباد،۱۹۹۸ء، ص:۳۵۵۔

۷- سورہ طٰہٰ،۳۵/۲۵ تا ۲۸۔

۸- مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی،قصص القرآن،حصہ اول،مقبول اکیڈمی،لاہور،ص:۹۵۔

۹- النساء،۴/۱۱۴۔

۱۰- امام غزالی،کیمیائے سعادت،ترجمہ سعید الرحمٰن علوی،مکتبہ رحمانیہ،لاہور،ص:۳۶۸۔۳۶۷۔

۱۱- سورۃ ق۔۱۸(۵۰/۱۸)۔ ۱۲-الحجرات۔۱۲(۴۹/۱۲)۔

۱۳۔ الحجرات۔۱۱(۴۹/۱۱)۔ ۱۴-الحجرات۔۱۲(۴۹/۱۲)۔

۱۵- الحجرات۔۶(۴۹/۶)۔ ۱۶-آل عمران۱۱۰(۳/۱۱۰)۔

۱۷- الشعراء۔۱۹۲۔۱۹۵(۲۶/۱۹۲۔۱۹۵)۔

۱۸- خرم مراد،مغرب اور عالم اسلام ایک مطالعہ،مرتب سلیم منصور خالد،منشورات لاہور،۲۰۰۶ء،ص:۲۱۳۔

۱۹- اشفاق احمد (اردو میں سائنسی تعلیم)، اردو زبان- مسائل اور امکانات، ترتیب وتدوین،سید شوکت علی شاہ۔ مجلس تقریبات ملی ملتان،۱۹۹۲ء۔ص:۱۱۳۔

۲۰- احمد ندیم قاسمی، پاکستان میں نفاذ اردو کا مسئلہ۔ ایضاً۔

۲۱- مسلم سجاد،تعلیم کے زندہ مسائل،منشورات لاہور،۱۹۹۸ء،ص:۲۵۰۔۲۵۱۔

۲۲- www.Pakistan.gov.pk/divisions

۲۳- http:/topics.developmentgateway.org.